لی نظام پر بھی کر دیا جاتا ہے تاہم عام اصطلاح میں مرکزی خزانہ کے محفوظ مقام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔[۱]

"اسلامی ریاست اپنی مالیتی پالیسی کو بروئے کار لانے کے لیے اور اس کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے سرکاری خزانہ قائم کرتی ہے اور سرکاری خزانہ کے محفوظ مقام کو "بیت المال" کہتے ہیں۔" بیت المال" کا لفظ اسلامی ریاست کے پورے نظام مالیات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔[۲]

"Baitul Mall means treasurer, especially that of State and is applied not to the actual building in which the financial business of the State is trasacted but also in a figurative sense to the national exchequer or fiscus"

بیت المال کے بارے میں اسلام کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ اللہ اور مسلمانوں کا مال ہے اور کسی شخص کو اس پر مالکانہ تصرف کا حق نہیں ہے۔ مسلمانوں کے تمام امور کی طرح بیت المال کا انتظام بھی قوم کے نمائندوں کے مشورے کے مطابق ہونا چاہیے ... مسلمانوں کو اس پر محاسبہ کا پورا حق ہے۔[۴]

تاریخ وارتقاء: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت المال کا باقاعدہ وجود نہیں تھا۔ اس کا قیام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا: علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: "اسلام میں فاروق اعظم سے پہلے نہ تو اس قدر کثیر رقم آئی تھی کہ جس کے رکھنے کے لیے "بیت المال" یا خزانہ بنایا جاتا اور نہ اس کی ایجاد ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو رقمیں آتی تھیں وہ کل

---

[۱] اسلام کا اقتصادی نظام (دینی کتب خانہ، لاہور، ۱۳۶۱ھ) ص ۱۲۰

[۲] اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۱ء) ۵/ ۱۹۷
نور محمد غفاری: اسلام کا نظام مالیات، ص ۴۰

[۳] Encyclopedia of Islam, Vol.I, P.598

[۴] مودودی، معاشیات اسلام (لاہور، ۱۹۷۵ء) ص ۳۱۱۔

ایک ہی نشست میں تقسیم کردی جاتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بھی اس کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ جو مال آتا اس کو تقسیم کردیا جاتا۔ ۱۵ھ میں یا اس کے قریب "بیت المال" کی ابتدا یوں ہوئی کہ بحرین سے پورے سال کا خراج پانچ لاکھ دراہم آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس رقم کثیر کی بابت مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے تجویز دی کہ اس کو ایک سال کے اندر تقسیم کردی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی مخالفت کی ولید بن ہشام نے بتایا کہ شام کے یہاں خزانہ اور دفتر جدا جدا محکمہ دیکھا ہے حضرت عمرؓ نے اس تجویز کو پسند کیا اور "بیت المال" کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے مدینہ منورہ میں "بیت المال" قائم ہوا اور اس کی نگرانی کے لیے عبداللہ بن ارقم کو منتخب کیا جو ایک معزز صحابی تھے۔ اور حساب و کتاب میں کمال مہارت رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ اور صوبوں اور صدر مقاموں میں "بیت المال" قائم کیے اور اس کے آفیسر جداگانہ مقرر فرمائے۔ مدینہ کے علاوہ اور صوبہ جات اور اضلاع کو یہ ہدایت تھی کہ وہاں کے ضروری مصارف کے لیے رقم نکال کر بقیہ جس قدر ہو سال تمام ہونے پر مدینہ منورہ کے "بیت المال" میں بھیجدیا کریں۔ چنانچہ عمرو بن العاص کو ایک فرمان جاری کیا تھا جس کے الفاظ تھے۔

"فاذا احصل إليك وجمعته اخرجت منه عطاء المسلمين وما يحتاج اليه مما لابد منه ثم انظر فما فضل بعد ذلك فاحمله إليّ"

ترجمہ: "تجھ کو کل مالیہ وصول ہوجائے تو ان کو جمع کرلے اس میں سے مسلمانوں کے ضروری وظائف اور ضروریات نکال لے اس کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ میرے پاس بھیجدے"[۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ "بیت المال" کی عمارت تعمیر کروائی[۲]

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ نے "بیت المال" قائم کیا تھا۔

---

[۱] تاریخ ابن خلدون، ترجمہ حکیم احمد حسین (دواخانہ پریس، الہ آباد، ۱۳۴۸ھ) ۴/۱۴۷-۱۴۸

[۲] شبلی نعمانی: الفاروق، ص ۴۳

لیکن عموماً خالی رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے "بیت المال" کو خالی پایا۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں "بیت المال" کے سلسلے میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے الگ کوئی طریقہ اختیار کیا ہو بلکہ حضرت عمرؓ کے نظام "بیت المال" کو قائم رکھا۔ بے شک حضرت عثمانؓ کے دور میں "بیت المال" کی آمدنی بڑھ گئی۔[2]

حضرت علیؓ نے بھی "بیت المال" کی حفاظت میں حضرت عمرؓ کی طرح اہتمام کیا۔ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے بصرہ کے "بیت المال" سے دس ہزار کی رقم لے لی تھی۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو وہ رقم اُن سے واپس کروا دیا۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو رافع "بیت المال" کے نگران تھے ایک دفعہ انہوں نے "بیت المال" سے ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا تو حضرت علیؓ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جب فاطمہؓ کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی تو میرے پاس مینڈھے کی ایک کھال تھی جس پر رات کو سوتا تھا اور دن کو اس پر مویشی کو چارہ دیتا تھا ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا۔[4]

خلافتِ راشدہ کے دور حکومت میں "بیت المال" کی آمدنی تسلی بخش تھی صرف سواد اور کوفہ کا خراج حضرت عمرؓ کے آخری عہد میں ایک کروڑ درہم تھا۔ آمدنی خرچ سے بڑھ گئی تھی۔ ہر طرف سادگی تھی۔ تنخواہوں میں اعتدال تھا۔ خلفأ خود اور ان کے امراء "بیت المال" سے کم فائدہ اٹھاتے تھے۔

اموی دور میں بھی "بیت المال" کا تعلق اسی نہج پر رہا جس طرح کہ حضرت عمر فاروقؓ مقرر کر گئے تھے۔ کوئی قابل ذکر تبدیلی کا ذکر نہیں ملتا صرف خلیفہ عبد الملک بن مروان نے کچھ

---

[1] شبلی نعمانی : الفاروق، ص ۱۴۱، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳/۱۵۲

[2] الطبری، ۲۸۰۴، الفاروق، ص ۴۳

[3] یعقوبی، ۲/۲۳۷

[4] ابن الاثیر، ۳/۵۹ از تاریخہ؛ معین الدین ندوی: تاریخِ اسلام، ص ۲۹۵ — ۲۹۶

مالی اصلاحات کی تھیں. جن کا ذکر قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے کیا ہے :

"عبد الملک بن مروان حکمران ہوئے تو انہوں نے لوگوں کے محاصل کے بارے میں
از سر نو جائزہ لیا اور محنت کرنے والوں کے لئے مناسب حیثیت میں معاوضہ
کا انتظام کروایا "[1]

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے بیت المال کے مصارف میں کافی اصلاحات کیں ملک میں جتنے مجبور اور معذور اشخاص تھے، سب کے نام درج رجسٹر کرکے ان کا وظیفہ مقرر کیا، اگر اس میں کسی عامل سے ذرا بھی غفلت ہوتی تھی تو سخت تنبیہ کرتے تھے[2] وہ قرض دار جو ناداری کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکتے تھے ان کے قرض کی ادائیگی کی مد قائم کی[3]

شیر خوار بچوں کے لئے وظائف مقرر کئے[4] ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس سے فقراء اور مساکین کو کھانا ملتا تھا[5]

حضرت عمر بن عبد العزیز رح کی ڈھائی سال کی خلافت میں لوگ اتنے خوشحال ہوئے تھے کہ کوئی شخص "بیت المال" سے صدقہ " زکوٰۃ " لینے کے لئے تیار نہ تھے[6]

عباسی دور میں مالی نظام کم و بیش وہی رہا. آمدنی کا سب سے بڑا حصہ خراج تھا. بعد کے ادوار آمدنی کے اہم ذرائع خراج اور غیر شرعی ٹیکس رہے ہیں. علاؤ الدین خلجی نے خراج مقاسمہ کا طریقہ رائج کیا[7]

---

[1] ابو یوسف : کتاب الخراج ، ص ۴۱

[2] ابنِ حجر عسقلانی : الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ، ۸۰/۵

[3] ابنِ سعد : الطبقات الکبری ، ۲۵۵/۵

[4] ابنِ سعد : الطبقات الکبری ، ۲۵۷/۵

[5] ابنِ سعد : الطبقات الکبری ، ۲۵۵/۵

[6] سیرت عمر بن عبد العزیز ، ص ۸۵

[7] مفتی محمد شفیع : اسلام کا نظام اراضی ، ص ۸۷

آج کل تمام اسلامی ممالک (اِلاّ ماشاء اللہ) میں بیت المال کا نظام تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ اس نظام کو ازسرِ نو نافذالعمل کرنے کی ضرورت ہے۔

بیت المال کے ذرائع آمدنی

العشر۔ الخراج۔ الجزیۃ۔ الفیٔ۔ الزکاۃ۔ الخمس۔ العشور۔ الوقف۔ اموال فاضلہ مزید محاصل (عارضی ٹیکس) ان کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ العشر عشری زمین وہ ہے جس کے باشندے اپنی مرضی سے اسلام قبول کریں یا فوج کشی کے ذریعے غیر مسلموں کا علاقہ فتح ہو جائے اور وہ زمین مسلمانوں (فاتحین) میں تقسیم کی جائے یا وہ زمین (بنجر) جس کو مسلمان آباد کرے۔

اگر ندی نالہ اور تالاب سے سیراب شدہ زمین ہے تو اس کی پیداوار پر نصف عشر (بیسواں) زکاۃ فرض ہے۔[1] قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(و آتوا حقہ یوم حصادہ) انعام: ۱۴۱

ترجمہ: جس دن کٹیں (یا توڑے جائیں) ان کا حق ادا کرو۔

اور حدیثِ نبوی ہے:

فیما سقت السماء العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر[2]

جس کا ترجمہ اوپر کیا گیا ہے۔

۲۔ الخراج خراجی زمین وہ ہے جس پر مسلمان قوت (فوج کشی) کے ذریعے قابض ہو جائے اور زمین مفتوح غیر مسلموں کے پاس رکھ چھوڑے اور

---

[1] السید سابق: (فقہ السنۃ)
(دارالکتاب، بیروت، ۱۴۰۵ھ) ۱/ ۳۵۵
د ابو یوسف: کتاب الخراج (ادارہ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ) ص ۶۹

[2] الجامع الصحیح للبخاری، (نور محمد۔ کراچی) ۱/ ۲۰۱

اس پر خاص ٹیکس مقرر کرے جو وہ ادا کریں۔[1]

سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران، عراق اور مصر کی زمینوں کو خراجی قرار دیا بعد ازاں بہت سے دوسرے علاقے فتح ہوئے تو ان کی بعض زمینیں خراجی قرار پائیں۔[2]

جو زمینیں ایک دفعہ خراجی قرار دے دی جائیں ان پر ہمیشہ خراج ہی جائز ہوگا خواہ بعد ازاں وہاں کے باشندے اسلام قبول کریں یا وہ زمینیں مسلمان خرید لیں۔

۳۔ الجزیہ ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا ہے اس کو جزیہ کہتے ہیں۔ جزیہ فوجی خدمت سے استثنا کے سبب اور جان و مال کے تحفظ کے لیے وصول کیا جاتا ہے۔ اگر ذمی غیر مسلم بھی فوجی خدمت کے لیے آمادہ ہوں اور ریاست اس پر اعتماد کر سکتی ہو تو ان کو جزیہ سے بری کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بوڑھے، مسکین اور غریب اور وہ اندھے، لنگڑے اور اپاہج بھی جزیہ سے مستثنیٰ ہیں جو مال نہیں رکھتے۔[3]

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں کو جہاد کے لیے روانہ فرماتے تو غیر مسلموں کے سامنے تین شروط رکھنے کا حکم دیتے تھے:

(ا) قبول اسلام کی دعوت (ب) جزیہ کی ادائیگی (ج) آخری بات جہاد (قتال)[4]

۴۔ الفئ جو مال جنگ بندی کے بعد اور اس ملک کے اسلامی ملک بننے کے بعد ان مفتوح لوگوں سے حاصل ہو وہ فئ ہے۔ یعنی بغیر جنگ (قتال) کے حاصل ہو جائے۔ یہ مال سارے کا سارا بیت المال کا حصہ ہے۔ اس میں خمس (۱/۵) ہی نکالا جائیگا۔

---

[1] السید سابق: فقہ السنۃ، ۱/۳۵۵

وابو عبید: کتاب الاموال (دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۵ھ) ص ۹۳-۹۴، ۶۹

[2] مودودی: مسئلہ ملکیت زمین، ص ۳۳ - ۳۷

[3] الشوکانی: نیل الاوطار، ۸/۶۳/ امین احسن اصلاحی: اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق، ص ۳۷

[4] ابن قدامۃ: المغنی (مکتبہ ریاض، ۱۹۷۱ء) ۸/۴۹۶

اور یہی نوعیت اس مال کی بھی ہے جو جنگ شروع ہونے سے پہلے دشمن سے مل جائے۔ صلح کے نتیجہ میں مفتوح ملک سے حاصل ہونے والا مال بھی فئی میں شامل ہے[1]

۵/ الزکاۃ زکاۃ اسلامی ریاست کے ہر عاقل و بالغ و مسلمان پر فرض ہے۔ بشرطیکہ وہ صاحب نصاب ہو نابالغ بچوں، مجنوں افراد کے مال میں زکاۃ کے قائلین اکثر علماء ہیں یعنی جمہور۔ احناف کے نزدیک نابالغ بچوں اور مجنوں افراد کی مملوکہ زمین کی پیداوار میں زکاۃ ہے لیکن مویشی، نقد اور مال تجارت میں زکاۃ نہیں۔ راجح بات یہ ہے کہ ان کے مال پر زکاۃ فرض ہے[2]

مختلف اموال پر زکاۃ کی شرح چاندی کا نصاب بالاتفاق دو سو درہم ہے درہم کے وزن میں علماء کا اختلاف ہے پاکستان و ہندوستان میں عام طور پر زکاۃ کا نصاب ۵۲½ تولہ یا ۶۱۲.۴ گرام کے برابر ہوئے[3] سونے کی وہ کم از کم مقدار جس کے مالک سے زکاۃ وصول کی جائے گا۔ اکثر فقہاء کے نزدیک بیس دینار ہے۔ پاکستان و ہندوستان میں مشہور نصاب ۷½ تولہ یا ۸۷.۵ گرام ہے[4]

زیادہ مناسب راجح مسئلہ یہ ہے کہ سونے کو معیار بنانے کے بجائے چاندی کو معیار مقرر کیا جائے۔ اس بات کی تائید ابو مسعود کاسانی (حنفی) نے کی ہے۔ سونے اور چاندی کی شرح زکاۃ ۲½ فیصد سالانہ ہے[5] یہی شرح نقد سرمایہ کے لیے بھی ہے۔

---

[1] الماوردی : الأحکام السلطانیہ (المکتبۃ التوفیقیۃ مصر) ص ۱۴۳ — ۱۴۵
البو عبید : کتاب الاموال، ص ۲۷۱ وما بعدھا

[2] البو عبید : کتاب الاموال، ص ۵۵۲ — ۵۵۳

[3] ابن رشد : بدایۃ المجتہد، ۱/ ۲۵۵
محمد نجات اللہ صدیقی : اسلام کا نظریہ ملکیت، ۲/ ۲۳-۲۴

[4] ایضاً مذکورہ مراجع

[5] بدائع الصنائع، ۲/ ۱۸

مال تجارت : ان پر بھی تمام فقہاء (اہل ظاہر کے علاوہ) کے نزدیک زکاۃ فرض ہے بشرطیکہ سامان تجارت کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو۔[۱]

تجارتی مال پر زکاۃ عائد کرنے کی حکمت تاجروں کو احتکار اور اکتناز (ذخیرہ اندوزی وغیرہ) سے روکنا ہے اور مصنوعی قلت اور قیمتوں کے چڑھاؤ پر قابو پانا ہے۔

مویشیوں پر زکاۃ : مویشیوں پر زکاۃ کی فرضیت کے لئے درج ذیل شرائط ہیں :

(ا) جانور جنگل میں چرنے والے ہوں (سال کا بیشتر حصہ)

(ب) ان جانوروں کو خاص شخص کی ملکیت میں رہتے ہوئے پورا سال گزر جائے درمیان سال میں نصاب میں کمی نہ آئے۔[۲]

اونٹ کا نصاب پانچ (۵)، گائے بیل اور بھینس کا تیس (۳۰)، بھیڑ، بکری اور دنبہ کا چالیس (۴۰) ہے۔[۳]

نقود (بنک نوٹ) : نقد روپیہ وغیرہ پر اس صورت میں زکاۃ فرض ہوگی اگر وہ اتنی ہو کہ چاندی کا نصاب یعنی ۵۲½ تولے یا ۶۱۲ء۴ گرام چاندی خرید سکے اور یہ نقدی سال کے دونوں طرف پائی جائے۔[۴]

۶۔ الخمس

اسلام کے نظام مالیات میں خمس ۵/۱ مندرجہ ذیل اموال پر ہے۔

(ا) مال غنیمت کا ۵/۱ (ب) دفینوں کے مال کا ۵/۱

(ج) کانوں سے نکلے ہوئے سونے اور چاندی کا ۵/۱۔ یہ خمس بیت المال کا حصہ ہے۔[۵]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

۱۔ الماوردی : الاحکام السلطانیہ، ص ۱۲۸ / ابو عبید : کتاب الاموال، ص ۵۲۳

۲۔ الماوردی : الاحکام السلطانیہ، ص ۱۳۱

۳۔ الجزیری : الفقہ علی المذاہب الاربعہ (مصر) ۵۹۶/۱ ۔ ۵۹۷

۴۔ ایضاً ۶۰۵/۱

۵۔ غفاری : اسلام کا نظام مالیات، ص ۷۵ ۔ ۷۶

"واعلموا انما غنمتم من شئ فانّ للّٰہ خمسہ و للرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل"۔[1]

ترجمہ: جان لو! کہ تم کو کسی چیز سے مالِ غنیمت ملے تو اس میں پانچواں حصہ اللہ کے واسطے ہے اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لیے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "رکاز (دفینہ) پر خمس ہے"۔[2]

۷/ العشور مالِ تجارت پر عائد کردہ ٹیکس کا نام "عشور" ہے۔ چونکہ ایران اور روم کی حکومتوں کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی بھی مسلمان تاجر ان کے سرحدوں میں تجارت کے لیے داخل ہوتے تو وہ حکومتیں ان سے ٹیکس وصول کرتیں لیکن غیر مسلم تاجر جب مسلمان ریاست میں آتے تو کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ اس معاملہ کو حضرت موسیٰ الاشعری رضؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھایا تو آپ رضؓ نے یہ فرمان جاری کیا:

"خذ أنت منهم كما يأخذون من تجار المسلمين وخذ من أهل الزمة نصف العشر ومن المسلمين من كل أربعين درهما درهم ما زاد فبحسابه"۔[3]

ترجمہ: اہل ذمہ سے نصف عشر ۵٪ اور مسلمانوں سے یہ چالیس درہم پر ایک ۲.۵٪ درہم وصول کرلیں اور زائد مال پر اسی حساب سے وصول کریں۔

۸/ الوقف بیت المال کی آمدنی کا ایک ذریعہ وقف بھی ہے۔ یہ آمدنی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ یا اسی قسم کی جائیداد سے ہوتی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الخراج وغیرہ۔[4]

---

[1] الانفال: ۴۱

[2] النسائی، ۱/۲۴۹ (باب المعدن)

[3] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۱۳۵

[4] 〃 〃، ص ۱۳۲

۹/ اموالِ فاضلہ اس میں بیت المال کے متفرق آمدنیاں شامل ہیں۔ مثلاً اگر کسی مسلمان یا ذمی کا انتقال ہو جائے اور وہ لاوارث ہو تو اس کا مال "بیت المال" کا حق ہے۔ اسی طرح کوئی مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) تو اس کا تمام مال ضبط ہو کر "بیت المال" کی ملکیت ہو جاتا ہے۔[۱]

۱۰/ مزید محاصل (عارضی ٹیکس) مزید محاصل عائد کرنے کی ضرورت تین مختلف طریقوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اولاً، یہ کہ شرعی محاصل سے ہونے والی آمدنی ریاست کے بنیادی فرائض: دفاع، جہاد، تعلیم و تربیت، دعوتِ اسلام، تبلیغ (امر بالمعروف، نہی عن المنکر)، قیامِ عدل، اور کفالتِ عامہ کے لیے ناکافی ہو۔ ثانیاً، اسلامی ریاست کو ملک کے معاشی تعمیر و ترقی اور خود اپنے مصارفِ حکمرانی پورے کرنے کے لیے مزید مال کی ضرورت ہو۔ اس لیے کہ عشر و زکاۃ کی آمدنی کو مصارفِ حکمرانی پر نہیں خرچ کیا جا سکتا۔

ثالثاً: اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرہ کے اندر ہر آدمی کی کفالت کا انتظام کرے اور معاشی ناہمواری دور کرنے کے انتظامات کرے۔ اس سلسلہ میں ابن حزم کا موقف ہے:

"ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریبوں کی کفالت کریں اگر زکاۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئ اس کے لیے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان غریبوں کے لیے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے کہ وہ بقدرِ ضرورت غذا حاصل کر سکیں اور اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس، اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں کی سے محفوظ رکھ سکے"۔[۲]

س موقف کے مؤیدین میں اور بھی حضرات ہیں۔

---

[۱] عبدالوہاب خلاف: السیاسۃ الشرعیۃ (دارالاحصار، قاہرہ، ١٣٩٧ھ) ص ١٢٨
الحدیث ورد فی سنن ابوداؤد، ص ٤٠٢

[۲] ابن حزم: المحلّی، ٦/ ١٥٦ - شاطبی: الاعتصام (مصر، ١٩١٤ء)
مزید دیکھئے ٢/ ٢٩٥ — ٢٩٨

بیت المال کے اخراجات (مصارف)

ہم مصارف کو چار شعبوں میں کرتے ہیں:

پہلا شعبہ: غنائم، کنز اور رکاز کے خمس اور صدقات پر مشتمل ہے۔

دوسرا شعبہ: زکاۃ، عشر اور مسلمان تاجروں سے حاصل شدہ تجارتی محصول (عشور) سے تعلق رکھتا ہے۔

تیسرا شعبہ: خراج، جزیہ، غیر مسلم تجار سے وصول شدہ عشور، کراء الارض غیر مسلموں سے تحائف اور ضرائب ونوائب (ہنگامی ٹیکس) پر مشتمل ہے۔

چوتھا شعبہ: اموال فاضلہ سے تعلق رکھتا ہے۔

ان چاروں شعبوں کا اجمالی تعارف:

۱۔ پہلے اور دوسرے شعبے کے مصارف کو قرآن مجید نے خود متعین کیا ہے جن کو "مصارف ثمانیہ" کہا جاتا ہے۔

۲۔ تیسرا شعبے کے مصارف ہر قسم کے وظائف اور شعبہ ہائے حکومت کے نظم ونسق اور انتظام وانصرام کے اخراجات پر مشتمل ہیں۔

۳۔ چوتھے شعبے کے مصارف رفاہ عامہ اور فلاح کے دیگر تمام کام ہیں[1]

اگر کبھی ایک شعبہ کے مصارف بڑھ جائیں اور دوسرے شعبہ میں بچت ہو تو اس مد سے لیا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

"وعلی الامام ان یجعل لکل نوع بیتا یختصه، وله ان یستقرض من أحدها لیصرفه للآخر"[2]

ترجمہ: امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر نوع کیلئے ایک خاص شعبہ بنائے اور اس کو ایک شعبہ سے قرض لے کر دوسرے پر خرچ کرنے کا اختیار ہے۔

---

[1] ابن عابدین: ردالمحتار (بمبئی، ۱۳۰۹ھ) ۲/۳۸۸ - ۳۸۹

[2] ؍ ؍ : ردالمحتار، ۲/۳۸۹

ایک شعبے کی آمدنی کو دوسرے پر خرچ نہیں کیا جا سکتا جیسے ابو یوسف ؒ فرماتے ہیں :

" ولا ینبغی للامام ان یجمع مال الخراج الی الصدقات و العشر لأن الخراج فئ لجمیع المسلمین و الصدقات لمن سہم اللہ عز وجل فی کتابہ "[۱]

ترجمہ : اور امام کو نہیں چاہیئے کہ خراج کو صدقات اور عشر کے ساتھ ملائے کیونکہ خراج سب مسلمانوں کے مشترک آمدنی ہے اور زکاۃ اور عشر متعین افراد کے لیے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

ان شعبہ جات کے مصارف کی تفصیل :

پہلے اور دوسرے شعبہ کے مصارف : ان دونوں کے شعبوں کے مصارف ایک ہی ہیں جنہیں مصارف ثمانیہ کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمسکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم باللہ وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان و اللہ علی کل شئ قدیر[۲]

ترجمہ : جان لو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے اس میں پانچواں حصّہ اور رسول کے واسطے اور ان کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے ، اگر تم کو یقین ہے اللہ پر (الآیۃ)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے :

" انما الصدقات للفقراء و المساکین و العاملین علیہا و المؤلفۃ قلوبہم و فی الرقاب و الغارمین و فی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ و اللہ علیم حکیم "[۳]

---

[۱] کتاب الخراج ، ص ۸۰

[۲] الانفال : ۴۱

[۳] التوبۃ : ۶۰

ترجمہ: زکاۃ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکاۃ کے کام کرنے والوں کا اور جن کا دل پرچانا مقصود ہو اور گردنوں کے چھڑانے کے لیے (یعنی قیدیوں اور غلاموں کی رستگاری کے لیے) اور ان کے لیے جو تاوان کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اور اللہ کے راستے میں (جہاد کرنے والوں کے لیے) اور مسافروں کے لیے یہ مقرر ہے۔ اللہ کی جانب سے اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

مصارف ثمانیہ کی تفصیلات:

۲،۱ ــــ فقراء و مساکین: مصارف زکاۃ میں سب سے اہم حصہ ان دونوں کے لیے ہے اور انہی کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا ذکر پہلے ہوا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کوئی بھی معاشرہ ان فقراء و مساکین سے خالی نہیں[۱] فقراء وہ لوگ ہیں جو اپنی گذر بسر کے لیے دوسروں کی مدد کے محتاج ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نصاب سے کم مال رکھتے ہیں۔

مسکین: لفظ مسکین کے اندر وہ تمام اشخاص شامل ہیں جنہیں بڑھاپے یا بیماری یا غیر معمولی حالات نے بالکل ناکارہ اور نکما کر دیا ہو اور وہ اپنی روزی خود نہ کما سکیں۔ امام راغب الاصفہانی کے نزدیک المسکین من لاشئ لہ (یعنی جس کے پاس کچھ نہ ہو) اور یہ فقیر سے اَبلغ ہے یعنی بنسبت فقیر کے مسکین زیادہ نادار ہوتا ہے۔

اور بعض فقہاء کے نزدیک مسکین سے فقیر زیادہ تنگدست ہوتا ہے[۲] مساکین اور فقراء کے لیے صرف ایک سال یا ایک ماہ کے لیے زکاۃ نہیں دی جائیگی بلکہ ان کے لیے مستقل طور پر زکاۃ دی جائیگی یہاں تک ان سے تنگدستی دور ہو جائے اور صاحب نصاب ہو جائیں اور ضروریات زندگی کے حصول میں رکاوٹیں دور ہو جائیں۔ ابو عبید نے اس اعرابی کا واقعہ بیان کیا ہے جس نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر محمد بن مسلمہ کی شکایت کی کہ انہوں نے مال زکاۃ سے ان

---

[۱] ابراہیم عثمان: نظام مصرف الزکاۃ (الریاض، ۱۴۰۲ھ) ص ۴۷

[۲] مفردات القرآن، ص ۴۳۴ اردو ترجمہ والمحلی، ۱۴۸/۶
خلاف: السیاستہ الشرعیہ، ص ۱۳۰

کو محروم رکھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کی گرفت کی اور انہوں نے بھی افسوس اور اظہار ندامت کیا پھر اس مستحق کو اس کا حق ادا کیا۔[۱]

اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی اسلامی ریاست کے بجٹ میں بے روزگاروں معذوروں اور غرباء و مساکین کی امداد اور بحالی کے لیے ایک خاص مستقل حصہ مختص کر دیا جبکہ انگلستان میں امداد محتاجان کا قانون ۱۶۰۱ء میں پاس کیا گیا۔

عاملین علیہا : سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکاۃ کے وصول کرنے، محفوظ رکھنے تقسیم کرنے، اور اس کا حساب و کتاب رکھنے کا کام کرتے ہوں۔ گویا یہ لوگ یہ حصہ بطور حق خدمت لیتے ہیں نہ کہ حصہ بطور حقدار کے۔[۲]

مؤلفۃ القلوب : سے مراد وہ لوگ ہیں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوں اور ان کو اسلام سے وابستہ رکھنے کے لیے مال دیا جائے۔ اور غیر مسلم کو اسلام سے مانوس کرنے اور اس میں داخل ہونے پر آمادہ کرنے کے لیے مال دیا جائے۔ یا اس لیے مال دیا جائے تاکہ ان کی قوم میں جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں ان کی دشمنی نہ کریں، فی الجملۃ اسلامی ریاست کے مفاد کی ترویج کے لیے بھی مال دینا اس مد کے تحت آتا ہے۔[۳]

فی الرقاب : سے مراد غلاموں کو آزاد کرنا بھی ہے اور مکاتب غلام بھی مراد لیا گیا ہے کیونکہ مال زکاۃ کے وہی مستحق ہوتے ہیں۔ جو مسلمان قیدی دشمن کے پاس ہوں ان کا فدیہ زکاۃ سے دے

۱۔ ابو عبید : کتاب الاموال (المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر، ۱۳۴۷ھ) ص ۵۹۹
القرضاوی : فقہ الزکاۃ، ۲/ ۵۷۸

۲۔ الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، ۸/ ۱۷۸، الماوردی : الأحکام السلطانیہ، ص ۱۱۸ ومابعدھا، ابو یعلی : الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۶

۳۔ ابن العربی : أحکام القرآن (دار احیاء الکتب العربیہ، ۱۳۷۶ھ) ۲/ ۹۵۰
ابن تیمیہ : السیاسۃ الشرعیۃ، ص ۵۰ ــ ۵۳، المحلی، ۶/ ۱۴۹
النووی : المجموع، ۶/ ۲۰۷

کر آزاد کرانا بھی اس کے تحت آتا ہے [۱]

احناف کے نزدیک زکاۃ کی مدّ سے صرف مکاتب غلام کو دیا جا سکتا ہے۔ غلام خرید کر آزاد نہیں کیا جا سکتا [۲]

الغارمین : سے مراد قرض یا تاوان کے بارے دبے ہوئے ایسے افراد ہیں جو اگر اپنا قرض پورا ادا کریں تو صاحب نصاب نہ رہ جائیں۔ غارم کا لفظ ان تمام مقروضوں کو شامل ہے جو اپنے ذاتی جائز ضروریات یا مسلمانوں کے مصالح عامہ کے لیے قرض لیتے ہیں [۳]

فی سبیل اللہ : سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ خواہ وہ تلوار سے ہو یا قلم و زبان سے یا ہاتھ پاؤں کی محنت سے اور دوڑ دھوپ سے، سلف میں سے کسی نے بھی اس لفظ کو رفاہ عامہ کے معنی میں نہیں لیا ہے۔ ان کے نزدیک بالاتفاق اس کا مفہوم ان مساعی تک محدود ہے جو اللہ کے دین کو قائم کرنے اس کی اشاعت کرنے اور اسلامی مملکت کا دفاع کرنے کیلئے کی جائیں [۴]

ابن السبیل : یعنی مسافر، خواہ وہ اپنے گھر میں مالدار ہو۔ لیکن حالت سفر میں ہونے کی وجہ سے مدد کا محتاج ہو۔ گھر تک پہنچنے اور ضروریات کی حد تک زکاۃ لے سکتا ہے [۵]

تیسرے شعبہ کے اخراجات :

اس شعبہ کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں :

(۱) **پہلا حصّہ :** مسلح افواج کی تنخواہیں اسی مدّ سے دی جائے گی [۶] تنخواہوں کے

۱۔ الاصفہانی : مفردات القرآن، ص ۳۶۴ (اردو ترجمہ)
ابو عبید : کتاب الاموال، ص ۷۲۳، ابن العربی، ۹۵۵/۲ (احکام القرآن)

۲۔ جصاص : أحکام القرآن، ۱۲۴/۳

۳۔ مفردات القرآن، ص ۳۶۶، الماوردی : الأحکام السلطانیہ، ص ۱۴۰

۴۔ الأحکام السلطانیہ، ص ۱۴۰، کتاب الاموال، ص ۷۲۶

۵۔ کتاب الاموال، ص ۷۲۶ــ۷۲۷، الطبری : تفسیر جامع البیان، ۱۴/ ۳۲۰

۶۔ ابن سعد : الطبقات الکبری، ۲۱۷/۳، الماوردی : الأحکام السلطانیہ، ص ۲۲۰

علاوہ اسلحہ اور ہتھیار بھی اس مد سے خریدے جا سکتے ہیں۔[1]

(ب) **عدلیہ اور انتظامیہ کے مصارف** : ان کے مصارف بھی اسی شعبہ سے لیے جائیں گے اور ان اداروں میں کام کرنے والے ججوں اور آفیسروں کو معقول تنخواہیں ہونگی تاکہ وہ رشوت کی طرف مائل نہ ہوں اور ساتھ ساتھ مشاہروں میں بے جا تفاوت بھی نہ ہو۔[2]

(ج) اسلامی ریاست کے وہ افراد جو دین کی ترویج و تبلیغ کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں ان کے اہل و عیال کی کفالت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر عائد ہوتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ادارہ پر خصوصی توجہ دی اور معلمین و مبلغین کے لیے مشاہرے مقرر کیے۔ "ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والأئمة والمعلمین"[3] یعنی حضرت عمرؓ اور عثمانؓ دونوں موذنوں، اماموں اور اساتذہ کو وظائف دیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعلیم و تدریس قرآن پر مشاہرے مقرر کروائے تھے۔ " ان عمر بن الخطاب کتب الی بعض عماله ان اعط النّاس علی تعلم القرآن "[4] حضرت عمرؓ نے اپنے بعض عاملین (گورنرز) کو یہ حکم بھیجا کہ قرآن کی تعلیم پر مشاہرے دیئے جائیں۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بھی معلمین کے لیے مشاہرے مقرر کیے تھے[5] اسی طرح طلبہ کے لیے بھی وظیفے مقرر کئے جاتے تھے۔

بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں بھی یہ شعبہ کام کرتا رہا۔ آج بھی اس شعبہ کو باقاعدہ اور منظم کرنے کی ضرورت ہے۔

چوتھے شعبہ کے مصارف

بیت المال کا چوتھا شعبہ (جس کے ذرائع آمدنی اموال

۱؎ السرخسی : المبسوط ، ۱۸/۳

۲؎ ابو یوسف : کتاب الخراج ، ص ۱۸۶ — ۱۸۷

۳؎ ابن الجوزی : سیرۃ عمر بن الخطاب ، ص ۱۶۵

۴؎ ابو عبید : کتاب الأموال ، ص ۳۳۳

۵؎ " : " ، ص ۳۳۳ — ۳۳۴

فاضلہ اور کفالت عامہ کے ٹیکس ہیں) غرباء، مساکین، معذورین، یتامیٰ، بیوگان اور محروم المعشیت کی معاشی کفالت سے تعلق رکھتا ہے۔

اگر مال زکاۃ کافی نہ ہو تو اس صورت میں اصحاب ثروت پر فاضل ٹیکس عائد کر کے غریبوں کی کفالت کرنا ضروری ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (ان فی المال حقاً سوی الزکاۃ)[1] مزید انفاق کی ذمہ داری کا تعلق اسی حصہ پر ہے جو آدمی کی اپنی ضروریات سے زائد ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یسئلونك ماذا ینفقون قل العفو)[2]

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کتنا انفاق کریں۔ کہیے جو کچھ اپنی ضروریات سے زائد ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ تعالیٰ فرض علی الأغنیاء فی أموالھم بقدر ما یکفی فقرأھم، فإن جاعوا أوعروا وجھدو افبمنع الأغنیاء وحق علی اللہ تعالیٰ أن یحاسبھم یوم القیامة، ویعذ بھم علیھم"[3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مال داروں پر ان کے مال میں اتنا حصہ فرض کیا ہے جو غریبوں کے لیے کافی ہو۔ اب اگر یہ لوگ بھوکے، ننگے یا مشقت میں مبتلا ہوں تو اس کا سبب یہی ہو سکتا ہے کہ مال داران کو ان کا حق نہ دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ضرور ان مالداروں سے محاسبہ کرے گا اور سزا دے گا۔

ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ کفالت عامہ کے لیے اگر زکاۃ اور فیٔ کی آمدنی کافی نہ ہو تو مال دار پر مزید محاصل (ٹیکس) عائد کیے جائیں گے۔

---

[1] ترمذی : کتاب الزکاۃ

[2] البقرہ : ۲۱۹

[3] المحلی ، ۶/ ۱۵۸

"وفرض على الاغنياء من أهل كل بلد ان يقوموا بفقرائهم، يجبرهم السلطان على ذلك، ان لم تقم الزكوات بهم، ولا فی سائر اموال المسلمين بهم، فيقام لهم بمايأكلون من القوت الذی لابد منه، ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلك، وبمسكن يكنهم من المطر، والصيف، والشمس وعيون المارة" [1]

ترجمہ: ہر ملک کے مالدار پر فرض ہے کہ اپنے غریبوں کی کفالت کریں اگر زکاۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئے اس کے لیے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان غریبوں کے لیے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں اور وہ اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ نے بھی مزید محاصل عائد کرنے کی حمایت کی ہے اگر ضرورت ہو۔

" امام کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ ضرورت کی حد تک ٹیکس عائد کرے بشرطیکہ امام عادل ہو۔ مال دار لوگوں پر اتنے محاصل عائد کر دے جس کی آمدنی اس وقت کی ضرورت کے لیے کافی ہو" [2]

بیت المال خالی ہونے کی صورت میں فقہاء شوافع نے بھی مزید محاصل عائد کرنے کی اجازت دی ہے [3]

اس موقف کے حامی امام غزالی۔ امام السرخسیؒ اور امام الماوردیؒ وغیرہ ہیں [4]
متعدد علماء نے جن میں ممتاز شافعی فقیہ عزالدین بن عبدالسلام بھی شامل ہیں یہ فتویٰ

---

[1] المحلی، ۱۵۶/۶

[2] الاعتصام (مطبعۃ المنار، مصر، ۱۹۱۴ء) ۲۹۵/۲ — ۲۹۸

[3] امام غزالی: المستصفی (مطبعۃ امیریہ، بولاق، مصر، ۱۳۲۲ھ) ۳۰۳/۱ - ۳۰۴

[4] الماوردی: الاحکام السلطانیہ، ص ۲۷۶

دیا کہ اگر بیت المال خالی ہو تو مزید محاصل عائد کر کے مال جمع کیا جا سکتا ہے اور اگر بیت المال میں مال موجود ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں[1]

" علماء اسلام اس پر متفق ہیں کہ جب مسلمانوں پر زکاۃ ادا کر چکنے کے بعد، کوئی ضرورت آن پڑے تو اس کے لیے (مزید) مال صرف کرنا واجب ہے۔ امام مالک رح نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ فدیہ ادا کر کے اپنے قیدیوں کو آزاد کرائیں خواہ ایسا کرنے میں ان کا سارا مال خرچ ہو جائے"[2]

اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ اس کے اندر بسنے والوں کی مکمل کفالت کرتے بیت المال سے ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کرے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج لازماً شامل ہیں۔ مثلاً صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو عارضی بے روزگاری، مرض، بڑھاپے یا کسی حادثہ کے سبب معذور ہو جانے کی حالت میں کارخانہ یا متعلقہ صنعت سے اتنا امدادی وظیفہ دلوانے کا اصول بنایا جا سکتا ہے جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ اسلامی ریاست کو ایسا نظم قائم کرنا پڑے گا کہ محروم افراد اپنی محرومی کا ثبوت فراہم کر کے، بآسانی اور بلا تاخیر بیت المال سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکیں اور ریاست کا کوئی باشندہ بھوکا، پیاسا، ننگا، بے ٹھکانہ اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" من ولاہ عزوجلّ شیئاً من امور المسلمین فاحتجب دون حاجتھم وخلّتھم وفقرھم احتجب اللہ تعالیٰ عنه دون حاجته وخلّته"

قال: فجعل رجلاً علی حوائج الناس "[3]

ترجمہ : نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور حاجت مندی اور فقر و فاقہ سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ

---

[1] محمد بن ایاس : تاریخ مصر (بولاق، مصر، ۱۳۱۱ ھ) ۱/ ۹۴ - ۹۵

[2] قرطبی : احکام القرآن ، ۲/ ۲۴۲

[3] ابوداؤد ، کتاب الخراج والفئ ، ۲/ ۹۰، ۴۰

رہا۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے (یہ حدیث سن کر) ایک آدمی کو عوام کی ضروریات (پوری کرنے) پر مقرر کر دیا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

" مامن عبد یسترعیه الله رعیّة فلم یحطها بنصیحة لم یجد رائحة الجنة "۱

ترجمہ: جس بندہ کو اللہ نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کی خوشبو بھی نہ حاصل کر سکے گا۔

یہ بھی ارشادِ نبوی ہے:

"الله ورسوله مولیٰ من لا مولیٰ له "۲

ترجمہ: جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا نگران (سرپرست) اللہ اور اس کا رسول ہے۔

رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

" عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ترک مالاً فلأهله ومن ترک ضیاعاً فالیّ "۳

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے اہل (یعنی وارثوں) کے لیے ہے۔ اور جو کسی کو بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری (کفالت اور مال خرچ کرنا میری ذمہ داری ہے) میرے اوپر ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد عوام کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

" انی حریص علی ان لا اریٰ حاجةً الا سددتها "۴

---

۱ صحیح البخاری، کتاب الأحکام، ۲/ ۱۰۵۸

۲ الترمذی، ابواب الفرائض، ص ۳۰۶

۳ الترمذی (نور محمد، کراچی) ص ۳۰۴ (باب ما جاء من ترک مالا فلورثته)

۴ ابن کثیر: البدایۃ (مکتبۃ المعارف، بیروت، ۱۹۷۴ء) ۷/ ۴۶

ترجمہ : مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کوئی ضرورت دیکھوں (کسی کو کوئی حاجت ہو) اسے پورا کروں۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے یہ بھی اعلان فرمایا تھا :

"ومن أراد أن يسأل عن المال فليأتني فإن الله جعلني خازناً وقاسماً"[۱]

ترجمہ : یعنی جو آدمی مال چاہتا ہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے (بیت المسلمین کا) خزانچی اور تقسیم کنندہ بنا دیا ہے۔

اسی انداز سے ذمہ داری کا احساس حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کو بھی تھا۔ آپؒ نے اعلان فرمایا تھا :

"وما أحد منكم تبلغني حاجة الا حرصت ان أسد من حاجته ما قدرت عليه"[۲]

ترجمہ : یعنی تم میں سے کسی کی بھی کسی ضرورت کا علم مجھے ہوگا اس کی ضرورت پوری کرنے کی میں حتی الامکان پوری کوشش کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط سالی اور دیگر مالی پریشانی میں ہمیشہ عامۃ الناس کا باقاعدہ کفالت کا اہتمام فرمایا[۳]

اور یوں بھی ارشاد فرمایا :

"اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہو کر مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قیامت کے روز اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا"[۴]

اسلامی تعلیمات کے اندر کفالت کا تصور صرف اسلامی ریاست کے مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ غیر مسلم

۱۔ ابن جوزی : سیرت عمر بن الخطاب، ص ۱۰۱

۲۔ ابن عبدالحکم : سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۱۴۱

۳۔ ابن جوزی : سیرت عمر بن الخطاب، ص ۷۳

۴۔ ابن جوزی : سیرت عمر بن الخطاب، ص ۶۱

رعایا کی کفالت کا ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے بیت المال کے نگران کو ہدایت کی تھی کہ ضرورت مند اہل ذمہ کا پتہ لگا کر ان کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کی ایک سائل سے ملاقات ہوئی جو بوڑھا بصارت سے محروم بھیک مانگ رہا تھا آپ رضؓ نے پوچھا کہ تم کس مذہب کے ہو تو اس نے جواب دیا یہودی ہوں۔ آپ رضؓ نے پوچھا تمہیں کس چیز نے ایسا کرنے پر مجبور کیا؟ اس نے جواب دیا بڑھاپے، ضرورت مندی اور جزیہ (ٹیکس) کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں۔ (راوی) کہتا ہے حضرت عمر رضؓ اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور گھر سے اس کو کچھ دیدیا۔ پھر آپ رضؓ نے بیت المال کے خزانچی کو بلوایا اور ان سے کہا۔ اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو۔ کیونکہ اللہ کی قسم یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے (جزیہ وصول کرکے) کھائیں اور بڑھاپے میں بے سہارا چھوڑیں"

شام کے سفر میں حضرت عمر رضؓ کو راستہ میں کچھ عیسائی ملے جو جزام میں مبتلا تھے۔ آپ رضؓ نے ان کی معذوری کے پیش نظر ان کے لیے روزینہ (وظیفہ) جاری کرنے کا حکم دیدیا۔

ان آثار و واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد معلوم یہ ہوا کہ اسلامی ریاست میں بیت المال کے ذریعہ تمام افراد کی کفالت عین ممکن ہے۔ اسی اسلامی نظام کو نافذ کرنے اور اس کو منظم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ پاکستان کے حکام کو بھی اور عوام کو بھی اسلامی نظام کو کما حقہ نافذ کرنے کی توفیق عطا کریں

پاکستان میں قیام بیت المال

حکومتِ پاکستان نے بیت المال کی قیام کے سلسلہ میں ایک قانون، جس کو قومی اسمبلی کے اکتوبر ۱۹۹۱ء میں منعقدہ اجلاس نے پاس کرلیا ہے۔ پاس شدہ یہ مسودہ قانون میرے پیش نظر ہے۔ اس مسودہ قانون کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مختصر جائزہ پیش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سے فضل اور توفیق کے لیے دعا گو ہوں۔

بیت المال کے ذرائع آمدنی : اس کی تفصیل مذکورہ مسودہ قانون کے صفحہ ۲ پر ہے۔ بیت المال

کے ذرائع آمدنی میں مختلف ذرائع ہیں جن کی تفصیل گذشتہ صفحات میں بیان کرچکا ہوں۔ ان ذرائع آمدنی میں اوقاف، صدقات اور اموال فاضلہ وغیرہ شامل ہیں۔ لہٰذا ان ذرائع آمدنی کی بنیاد پر بیت المال کو چلانا درست اور مشروع ہے۔

اسلامی ریاست اپنی ضروریات کے لیے ہمدرد ممالک، افراد اور اداروں سے قرضے اور عطیات لے سکتی ہے۔ فتح مکہ کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مختلف افراد سے بحیثیت مجموعی ایک لاکھ تیس ہزار درہم قرضے لیے تھے آپؐ نے فتح ہوازن کے بعد یہ رقمیں ادا کردیں[1]

ہاں اسلامی ریاست خیر خواہ غیر مسلموں کے عطیے اس صورت میں قبول کرسکتی ہے کہ جس کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ممالک کے حکمرانوں کے ہدیے قبول کیے ہیں۔ مصر سے مقوقس نے آپؐ کے خط کے جواب کے ساتھ کچھ ہدیہ بھی بھیجا تھا جسے آپؐ نے قبول فرمایا[2]

اسی طرح حبشہ کے حکمران نجاشی نے بھی آپؐ کو تحفہ بھیجا جسے آپؐ نے قبول فرمایا[3] بل کے صفحہ ۳ پر مصارف بیت المال اور صفحہ ۱۱ پر اس کے اغراض و مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔ انکو پیش نظر رکھ کر ہم اس پر یوں اظہار خیال کرسکتے ہیں اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ہر فرد کی بنیادی ضروریات کا انتظام کرے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج لازماً شامل ہیں۔

ہر وہ ضرورت بنیادی ہے جس کی تکمیل پر کسی انسان کی زندگی کی بقا کا انحصار ہو۔ شریعت کی کسی نص میں ان ضرورتوں کی صراحت نہیں کی گئی ہے مگر خود یہ اصول نصوص سے ثابت ہے۔ ان چار چیزوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کی عدم تکمیل آدمی کی جان کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ نصوص پر غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ان ضرورتوں کی تکمیل اس اصول کا لازمی تقاضا ہے۔ البتہ مخصوص حالات میں، مخصوص افراد کے لیے اسی اصول کے تحت بعض دوسری ضرورتیں بھی یہی نوعیت اختیار کرسکتی ہیں۔

---

[1] بلاذری : انساب الاشراف، ۳۶۳/۱

[2] ابوالقاسم عبدالرحمٰن : فتوح مصر و اخبارھا (بریل لیدن، ۱۹۲۰ء) ص ۴۷

[3] ابوعبید : کتاب الاموال (القاہرہ) ص ۲۵۴

اگر بیت المال کے نظام کو (حکومتِ پاکستان) منظم کرلے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کا کوئی باشندہ بھوکا، پیاسا، ننگا، بے ٹھکانہ اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہنے گا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے اہل عیال (وارثوں) کے لیے ہے اور جو کسی کو بے سہارا چھوڑ جائے تو اس کی (کفالت کی) ذمہ داری میرے سر ہوگی۔"[1]

ان مذکورہ بنیادی ضروریات کے علاوہ ایک اہم ضرورت عام تعلیم بھی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت زید بن ثابتؓ نے یہود کی زبان (سُریانی) لکھنا اور پڑھنا سیکھا تھا۔[2]

صفہ کی اسلامی درس گاہ میں شریک ہونے والے قرآن کریم اور تعلیمات دین کے ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھتے تھے چنانچہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے یہاں بعض لوگوں کو لکھنا بھی سکھایا تھا۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچوں کی تعلیم کے لیے معلم مقرر کیے تھے۔ جن کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی۔[4]

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیہات کے مسلمانوں کو اسلامی آداب زندگی کی تعلیم دینے کے لیے باتنخواہ معلم مقرر کیے تھے۔[5]

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے طالب علموں کے لیے اور ایسے افراد کے لیے جو اپنے علمی مشاغل کے سبب کسبِ معاش سے قاصر تھے وظائف بھی مقرر کیے تھے۔[6]

آپ (حضرت عمر بن عبدالعزیز) نے شام میں نابینا افراد، فالج یا کسی دوسرے مزمن مرض کے سبب معذور افراد اور بے سہارا یتیم بچوں کی خدمت کے لیے سرکاری طور پر خادم فراہم

---

[1] ترمذی ، ابواب الفرائض (باب ماجاء من ترک مالاً)

[2] ابوداؤد ، کتاب العلم (باب روایت حدیث اہل کتاب)

[3] ابوداؤد ، کتاب البیوع (باب فی کسب المعلّم)

[4] کنز العمال ج ۴

[5] ابوعبید : کتاب الاموال ، ص ۲۶۲ - ابن جوزی : سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ، ص ۷۴

[6] ابوعبید : کتاب الاموال ، ص ۲۶۱

کیے تھے۔[1]

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستہ پر عارضی قیام وطعام کا انتظام کر دیا تھا تاکہ ہنگامی طور پر ضرورت مندوں کی ضرورت پوری ہو جائے۔[2]

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمان کی روشنی میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بیت المال سے مقروض افراد کو ادائے قرض کے لیے مالی امداد دی جائے۔[3]

بعض آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر شدہ افراد کو شادی کرنے کے لیے بیت المال سے مالی امداد دی جاتی تھی چنانچہ ایک حکم نامہ والیِ کوفہ زید بن عبد الرحمٰن کو بھیجا تھا جس میں کہا تھا کہ بیت المال کے فاضل مال میں سے ایسے لوگوں کی مدد کی جائے جنہوں نے شادی کی ہو اور ان کے پاس نقد نہ ہو۔[4]

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ محروم اہلِ حاجت کی حاجت روائی کا اہتمام کرے۔ بعض بنیادی ضروریات کی تکمیل لازمی ہے مگر حتی الامکان دوسری اہم ضروریات کی طرف بھی توجہ کی جانی چاہیئے۔

اسلام کے بڑے بڑے فقہاء اور مفکرین کی جماعت نے اس کی واضح الفاظ میں صراحت کی ہے۔ ان میں ابویعلی، الماوردی، ابن حزم اور امام غزالی وغیرہ ہیں۔

ضرورت مند کو پرکھنے کے لیے کیا کیا انتظامات ہوں تاکہ کوئی غیر مستحق فرد ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس کے سدباب کے لیے حکومتِ پاکستان پر ضروری ہے کہ وہ اخلاقی تربیت، رائے عامہ کے دباؤ اور تعزیری سزاؤں سے اس کا تدارک کرے۔ قابلِ کار افراد کو ان کی ضروریات کی تکمیل کے پہلو بہ پہلو کام کرنے پر بھی مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے کہ بغیر محنت کیے ہوئے محض ریاست کی مدد کے ذریعہ فرد کو جو معیارِ زندگی میسر آسکتا ہو وہ اس معیار سے فروتر ہو جو خود کسبِ معاش کے ذریعہ

---

[1] ابن جوزی : سیرۃ عمر بن عبد العزیز، ص ۱۵۴ - ۱۵۵

[2] ابن سعد : طبقات، ۲۸۵/۳

[3] ابو عبید : کتاب الاموال (القاہرہ) ص ۲۵۱

[4] ابو عبید : کتاب الاموال، ص ۲۵۱

حاصل کیا جاسکتا ہے ایسی نفسیاتی، معاشی اور قانونی تدابیر ممکن ہیں جن کے ذریعہ مذکورہ بالا خرابیوں (بے کاری۔ آرام طلبی وغیرہ) کا بڑی حد تک سدباب کیا جا سکتا ہے خود عام انسانوں کی طبیعت ایسی نہیں ہوتی کہ وہ فقر اور امداد طلبی کی زندگی کو دیدہ و دانستہ اس بات پر ترجیح دیں کہ اپنی روزی اور اپنی قوت بازو سے حاصل کی جائے۔ لیکن اس حقیقت اور ہر طرح کی تدابیر کے باوجود اگر معاشرہ میں کچھ افراد ان انتظامات (نظام بیت المال) سے بے جا فائدہ اٹھاتے رہیں تو یہ خرابی اس عظیم خرابی کے مقابلہ میں بہت معمولی ہے جو اس طرح کا انتظام نہ کرنے کے نتیجہ میں رونما ہوتی ہے۔ یعنی بہت سے افراد بنیادی ضروریات کی عدم تکمیل، اس کے نتیجہ میں اموات اور اس صورت حال سے پیدا ہونے والی نفسیاتی الجھنیں، اخلاقی مفاسد اور روحانی اضمحلال اور انحلال۔[1]

بیت المال کی اس مد سے غیر مسلموں کی کفالت بھی جائز ہے یعنی بلا امتیاز جنس، ذات، مسلک یا نسل۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ جب شام کے سفر میں تھے راستہ میں کچھ عیسائی ملے جو جزام میں مبتلا تھے آپؓ نے ان کے لیے روزینہ جاری کرنے کا حکم دے دیا۔[2]

غیر مسلم رعایا کی ضروریات کی تکمیل کا یہ اہتمام صرف حضرت عمرؓ کی مشفقت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ابتدا ہی سے اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔ نبی پاکؐ نے اہل حمیر کو مخاطب کرتے ہوئے جو لکھا تھا اس میں اس کی صراحت موجود ہے۔[3]

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں جب اہل حیرہ کے ساتھ، جو عیسائی تھے معاہدہ کیا تو اس میں یہ دفعہ بھی رکھی کہ " میں نے یہ ان کا حق قرار دیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو محنت کرنے سے معذور ہو جائے یا جس پر کوئی مرض یا مصیبت آپڑے یا جو آدمی پہلے مال دار رہا ہو اور اب ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں اس کا جزیہ (ٹیکس) ساقط کر دیا جائے گا اور اس کی اور اس کے اہل عیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔[4]

---

[1] نجات اللہ صدیقی : اسلام کا نظریہ ملکیت، ۲/۱۲۲

[2] بلاذری : فتوح البلدان، ص ۱۳۵

[3] ابو عبید : کتاب الاموال، ص ۲۰۲

[4] ابو یوسف : کتاب الخراج، ص ۱۷۲

مسودہ بل کے باب چہارم صفحہ ۴ پر چیرمین (امین) اور ارکین کے عہدے کی شرائط بیان کیا گیا ہے۔
ان شروط کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ اس میں علماء، فقہاء اور اسلامی قانون میں مہارت رکھنے والے اشخاص کے علاوہ باقی افراد کو شامل نہ کیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر اس نظام کو چلانا ہے بے شک منتخب نمائندگا اور سماجی کارکنوں میں سے اگر ماہر شریعت و ماہر حسابات میسر آجائیں تو ان کو ضرور ان عہدوں پر فائز کیا جائے۔

اسی موقف کی تائید کے لیے ہمارے پاس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل بطور دلیل موجود ہے۔
جب حضرت عمر فاروق ؓ نے باقاعدہ بیت المال کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے مدینہ منورہ میں بیت المال قائم کیا تو اس کی نگرانی کے لیے عبد اللہ بن ارقم ؓ کو منتخب کیا جو ایک معزز صحابی تھے ان کی امانت کا یہ حال تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مختلف لوگوں کو خطوط لکھواتے اور مہر بھی ثبت کرواتے اور دوبارہ ملاحظہ نہیں فرماتے بلکہ ان پر اعتماد کرتے آپ ؓ کاتبین وحی میں شامل تھے۔ حضرت عثمان ؓ نے ان کو امین (خازن) بیت المال کی حیثیت سے معقول رقم کی پیش کش کی مگر آپ ؓ نے قبول نہیں کیا۔[1]

لہٰذا امین اور دیگر ارکان بیت المال کا شرعی امور خصوصاً مالیات کے معاملہ میں ماہر ہونا اور مخلص و دیانتدار ہونا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا)[2]
ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ۔
اسی آیت کریمہ میں ہر قسم کے ذمہ کو اس کے اہل کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔ بخاری و مسلم میں فرمانِ نبوی ہے جس میں امانت میں خیانت کو نفاق کی ایک خصلت قرار دیا ہے۔
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اونٹ کا ایک بال اپنی دو انگلیوں کے درمیان لے کر فرمایا:
"لوگو! اللہ کی قسم تمہارے فئے میں سے میرے لیے یہ بال بھی نہیں بجز (غنیمت کے) پانچویں حصہ کے"

---

[1] ابن حجر عسقلانی ، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ، (مصر- ۱۳۲۸ھ) ۲/۲۷۳-۲۷۴
تاریخ ابن خلدون ، ۴/۱۴۷ - ۱۴۸
[2] النساء ۴ : ۵۸

اور یہ پانچواں حصہ بھی تم پر ہی خرچ کر دیا جاتا ہے"[1]

امانت اور اخلاص (اور احتیاط) کی چند مثالیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ شہد کی ضرورت پڑی۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن آپؓ نے پہلے مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے اجازت طلب کی اور فرمایا: "اگر تم مجھے اس کے بارے میں اجازت دو، ورنہ اس کا لینا میرے لیے حرام ہے"[2]

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جب ذاتی کام کرتے یا نفل ادا کرتے تو بیت المال کا چراغ بجھا دیتے اور اپنی ذاتی چراغ استعمال کرتے[3]

آپؒ سے پہلے اموی حکمران شان و شوکت اور شاہانہ کرّ و فرّ پر جو کثیر مصارف بیت المال سے کرتے تھے ان کو آپ نے یک قلم بند کر دیا اور ایسے سارے املاک کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا[4]

بیت المال کے سلسلہ میں آپ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ مال غنیمت میں آئی ہوئی مشک کی خوشبو سونگھنا یا مطبخ عام کی آگ پر وضو کے لیے پانی گرم کرا لینا بھی گوارا نہ تھا[5]

خلفاء راشدین رحمہم اللہ بیت المال کے بارے میں اتنی احتیاط برتتے تھے کہ ان میں سے جو لوگ صاحب مال تھے انہوں نے اپنا سارا وقت امور ریاست کی نذر کر دینے کے بعد بھی بیت المال سے کوئی مشاہرہ لینا پسند نہیں کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی کہ انہوں نے اپنے منصب

۱؎ ابن ہشام : سیرۃ النبی (مصر۔ ۱۲۹۵ھ) ۳/ ۱۸

۲؎ ابن سعد : طبقات، ۳/ ۲۷۷

۳؎ ابو یوسف : کتاب الخراج، ص ۱۹

۴؎ ابن عبد الحکم : سیرت عمر بن عبد العزیز، ص ۳۵ - ۳۶

۵؎ " " ، ص ۴۴

خلافت میں مشاہرہ کے طور پر جو کچھ لیا ہے اس کا حساب لگا کر اتنی رقم ان کے ترکہ میں سے بیت المال میں داخل کر دی جائے۔[۱]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی ضروریات اپنے ذاتی مال سے ہی پوری کیں۔[۲]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُس سالانہ وظیفہ کے علاوہ جو فئے کے مال میں سے دوسرے مسلمانوں کی طرح ان کو بھی ملتا تھا، بیت المال سے اپنی خدمت کے عوض کوئی مشاہرہ نہیں لیا۔[۳]

مسودہ قانون کے باب دہم صفحہ ۸ پر حساب اور محاسبہ کے عنوان سے تفصیل دی گئی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر اسلام میں نظام احتساب کی اہمیت اور طریق کار کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔

خلفائے راشدین کے دور میں مدات آمدنی بیت المال کے آفیسروں کا نہایت سختی سے محاسبہ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا تھا۔ سختی کے ساتھ آمدنی و خرچ کا حساب رکھوایا جاتا ۔ ۔ ۔ ۔ اس طرح عمال کی تعیناتی کے وقت ان کے مال و اسباب (جائداد) کی ایک فہرست تیار کر لی جاتی۔ واپسی پر اگر کسی کا سامان فہرست میں درج شدہ چیزوں سے زیادہ نکلتا تو باقاعدہ باز پرس ہوتی اور زائد مال ضبط کر کے "بیت المال" میں داخل کر دیا جاتا۔

اگر کوئی عامل قصوروار ہوتا تو اسے مجمع عام میں سرزنش کی جاتی اور عہدہ سے معزول کر دیا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ بجز ابو عبیدہؓ اور امیر معاویہؓ کے کوئی عامل بھی حضرت عمرؓ کے باز پرس سے محفوظ نہ رہا۔[۴]

حضرت ابوہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا تھا جب وہ وہاں سے آئے تو سرکاری مال کے علاوہ دس ہزار خود اپنا مال بھی ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب طلبی کے بعد ان کا مال ضبط کر لیا۔[۵] اسی طرح آپؓ نے حضرت عمرو بن العاص اور سعد بن ابی وقاص کا

---

[۱] تاریخ طبری، ص ۲۱۴۳

[۲] " " ، ص ۲۹۵۳

[۳] ابن عبدالحکم : سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۴۳

[۴] حمیدالدین : تاریخ اسلام (فیروز سنز - ۱۹۵۲ء - لاہور) ص ۱۱۸

[۵] ابوعبید : کتاب الاموال (قاہرہ - ۱۳۹۵ھ) ص ۳۴۲ - ۳۴۳

آدھا مال بھی ضبط کر لیا[1]

حضرت عمرؓ نے عتبہ بن ابی سفیان کو کنانہ کا عامل مقرر کیا تھا جب واپس آئے تو ذاتی مال بھی ساتھ لائے جس کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے تجارت کی ہے حضرت عمرؓ نے ان کا سارا مال بیت المال میں داخل کر لیا[2]

لہٰذا معلوم ہوا کہ بیت المال کا مال اللہ اور مسلمانوں کا مال ہے اور کسی کو اس پر مالکانہ تصرف حاصل نہیں اور مسلمانوں کو اس پر محاسبہ کا پورا حق ہے[3]

۱ے ابن عبدالحکم : فتوح مصر، ص ۱۴۸ . کتاب الاموال : ص ۳۴۲

۲ے الطبری : تاریخ ۹ ، ص ۲۷۶۶

۳ے مودودی : معاشیات اسلام (لاہور، ۱۹۸۲ء) ص ۳۹۱

بیت المال سے متعلق چند اہم مراجع

نام کتاب عربی کتب	مؤلف	مکان وتاریخ طبع
۱/ الأحكام السلطانية والولايات الدينية	ابوالحسن الماوردی	مصطفی البابی۔ القاہرہ ۔ ۱۳۴۸ھ
۲/ 〃 〃	قاضی ابویعلی	مصر
۳/ السیاسۃ الشرعیۃ	تقی الدین ابن تیمیۃ	دارالفکر۔ بیروت ۔ ۱۳۷۸ھ
۴/ 〃	عبدالوہاب خلاف	مطبع سلفیہ۔ قاہرہ ۔ ۱۳۵۰ھ
۵/ الطرق الحکمیۃ فی السیاست الشرعیۃ	شمس الدین ابن قیم الجوزیۃ	مصر ۔ ۱۳۱۷ھ
۶/ کتاب الأموال	ابوعبید القاسم بن سلام	المکتبۃ التجاریۃ۔ القاہرہ۔ ۱۳۵۳ھ
۷/ کتاب الخراج	قاضی ابویوسف	مطبع سلفیہ۔ قاہرہ ۔ ۳۵۲ھ
۸/ 〃 〃	یحیٰ بن آدم القرشی	القاہرہ

اردو کتب ومقالات

۹/ اسلام کا نظام بیت المال	مولانا محمد بخش مسلم	مکتبہ خاور۔ لاہور۔ ۱۹۷۲ء
۱۰/ اسلام کا نظام مالیات	ڈاکٹر نور محمد غفاری	مکتبہ نعمانیہ۔ ڈیرہ اسماعیل خان
۱۱/ اسلام کا نظریہ ملکیت جلد I - II	ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی	اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ لاہور ۱۹۸۹ء
۱۲/ اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام	رفیع اللہ شہاب	اسلام آباد۔ ۱۹۷۳ء
۱۳/ اسلام میں بیت المال کی تاریخ مقالہ ایم اے اسلامیات جامعہ پنجاب ۔ ۱۹۷۰ء	شہناز انور	شعبۂ اسلامیات۔ نمبر لائبریری ۶/۱۹
۱۴/ اسلامی بیت المال کا دائرہ کار مقالہ ایم۔ اے اسلامیات ۱۹۶۵ء	ناصرہ پروین	〃 ۔ نمبر ۱۹۶۵ / ۳۰

وصلی اللہ علی النبی وآلہ وسلم